

وہ رواں، وہ خیال، جو ان پر فاعل ہے، حقیقت ہے۔ غالب کا فلسفہ سپنوزا
نوزا، ہیگل، برکلی اور فسطے سے ملتا ہے۔ حکمت کے رو سے مرزا کا خیال
صحیح ہے۔ مادہ سالمات سے مرکب ہے۔ اگر پانی کے ایک قطرے کو کرہ ارض
کے برابر خیال کریں۔ تو اس کے سالمات چوگان کے گیند سے بڑے ہوں گے
یہ خود اجزاء سے مرکب ہیں، جو اب لایتجزئی خیال نہیں کیے جاتے، بلکہ جو اہر برق
سے مرکب مانے جاتے ہیں۔ ہر جز کو اگر ایک کلیسا سے مشابہ خیال کریں تو
بقول سر آئیور لاج بہ جو اہر کلیسا میں اڑتی ہوئی مکھیوں کی مثال ہیں۔ اگر
ان کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایتھر کے حلقوں کی ساخت ہیں۔ اگر
ان حلقوں کی گرہ کھل جائے تو محض خیال باقی رہ جائے۔ یوں مرزا غالب کا
یہ شعر از روئے فلسفہ و حکمت بھی درست ثابت ہوگا۔

۴۔ شرح : میں بیا بان میں سیوگردش کرتا ہوں تو اتنی خاک اڑاتا
ہوں کہ پورا بیا بان گرد و غبار میں چھپ جاتا ہے اور دریا کو میرا اتنا احترام
منظور ہے کہ وہ میرے آگے اپنی پیشانی زمین پر گھستتا ہے۔
یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ میری اشکباری کے مقابلے میں دریا عجز کے
اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۵۔ شرح : اے محبوب! یہ نہ پوچھ کہ تیرے عشق میں میرا کیا حال
ہوا، یہ دیکھ کہ میرے سامنے تیرا کیا رنگ ہے۔

مطلب یہ کہ عاشق کے روبرو محبوب کی جو کیفیت ہوگی، انسی سے
عاشق کی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر محبوب کی نظر التفات عاشق
پر ہے اور وہ وفاداری سے عشق و محبت کے تقاضے پورے کر رہا ہے
تو ظاہر ہے کہ عاشق کی حالت بڑے اطمینان کی ہوگی۔ اگر اس کے برعکس
محبوب کو عاشق کے حال پر کوئی توجہ نہیں، وہ اس سے مسلسل تغافل برتا
ہے تو ظاہر ہے کہ عاشق کی حالت زیادہ سے زیادہ خستہ ہوگی۔